بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِداریہ

اشتیاق احمد ظلّی

اس وقت دنیا کی ایک بڑی آبادی شدید فکری اور نظریاتی بحران کی گرفت میں ہے۔ گذشتہ تین چوتھائی صدی سے وہ لوگ فکر و نظر کی جن علامتوں سے واقف اور ان کے عادی تھے وہ اپنی معنویت یکسر کھو چکے ہیں۔ جن راہوں پر چلنے کی عادت ان کی فطرت ثانیہ بن چکی تھی وہ نہ جانے کہاں کھو گئیں۔ ۱۹۱۷ء میں روس میں جو سرخ سویرا طلوع ہوا تھا اور جس کے پرتو میں دنیا کے بے شمار مظلوموں نے امید کی کرن دیکھی تھی لاکھوں جانوں کا خراج وصول کر کے مجبوروں اور بے کسوں کی آہوں اور آنسوؤں کے جلو میں ذلت و رسوائی کی تاریکی میں روپوش ہو چکا ہے۔ اشتراکیت جس نے لامذہبیت کو ایک مذہب بنا دیا تھا اپنے ہاتھوں خودکشی کر چکی۔ اس کے اوتار لینن کا مجسمہ زمین بوس ہو چکا۔ کمیونسٹ پارٹی خود اپنی موعود جنت ارضی میں شجر ممنوعہ بن چکی۔ اس کے کھاتے منجمد، اثاثے ضبط اور نام ایک گالی بن گیا۔ جن مقاصد کے لیے جان دے دینا بھی معمولی بات تھی ان سے وابستگی کی تہمت بھی اب گوارا نہیں۔ واقعات کی ایسی رفتار کہ دیکھنے والوں کا سانس رکتا محسوس ہو۔ کسی سماج کی زندگی میں یہ مرحلہ بہت کٹھن ہوتا ہے جب جانی پہچانی منزلیں بیگانہ ہو جائیں اور جن چیزوں پر یقین و اعتماد بظاہر زندگی کے لیے جواز فراہم کرتا ہو بے معنی اور ہیچ نظر آنے لگیں۔ جب اشتراکیت کے اصولوں کی روشنی میں دنیا کے مسائل حل کرنے کے بلند آہنگ مدعی سرمایہ داری کے جسدی تشخص امریکہ کے سامنے کاسہ گدائی لیے ان کی نگاہ کرم کی بھیک مانگتے نظر آئیں تو پھر اور کیا امید کی جا سکتی ہے۔

اشتراکیت کی ناکامی بلاشبہ مسلمانانِ عالم کے لیے ایک بڑا خوش آئند واقعہ ہے۔ ایسا واقعہ جس کے لیے مدلوں آرزومندی کے ساتھ دعائیں کی جاتی ہیں۔ اس لیے کہ اشتراکیت

ہر اس چیز کی نفی ہے جو صالح ہے اور جو اسلام کو عزیز ہے۔ یہ واقعہ اس لیے بھی مسلمانوں کے لیے بہت اہمیت کا حامل ہے کہ ان کی ایک بڑی آبادی ایک مدت سے اشتراکیت کے جابرانہ نظام تلے پس رہی تھی اور انہیں ہر اس چیز سے اپنا رشتہ منقطع کر لینے پر مجبور کر دیا گیا تھا جس کے بغیر زندگی اپنی معنویت اور جاذبیت کھو دیتی ہے۔ وسط ایشیا کے وہ علاقے جو صدیوں اسلامی علوم و فنون اور اسلامی تہذیب و تمدن کے گہوارہ رہے وہاں سے اسلام اور اسلامیت کے ہر نشان کو کھرچ پھینکنے کی ہر ممکن سعی نامشکور کی گئی۔ مقام شکر ہے کہ ظلم و جبر کی یہ تاریک رات ختم ہوئی اور صبح امید نمودار ہوئی جس کی روشنی میں وسط ایشیائی جمہوریتوں کے ستم رسیدہ مسلمان پھر اپنی منزل مراد کی طرف سفر شروع کر سکیں گے اور ماضی سے ٹوٹے ہوئے رشتوں کو پھر سے استوار کر سکیں گے۔ یہ واقعہ اس لیے بھی بہت اہم ہے کہ اشتراکیت کو اس کی قبر تک پہونچانے میں مجاہدین افغانستان کا کردار بہت اہم رہا ہے جو محض اپنی ایمانی طاقت کے بل بوتے پر اس ہیبت ناک جنگی مشین سے ٹکرا گئے اور پھر چشم فلک نے یہ حیرت انگیز نظارہ بھی دیکھا کہ ان مٹھی بھر بے سروسامان سرفروشوں نے اس آنجہانی سپر پاور کو گھٹنے ٹیک دینے اور خاک چاٹنے پر مجبور کر دیا۔

لیکن ساتھ ہی اس تلخ حقیقت سے آنکھیں چرانا ممکن نہیں کہ امت وسط، جس کے اوپر خالق کائنات نے شہادت علی الناس کی عظیم ذمہ داری ڈالی تھی اور جس کے پاس رہتی دنیا تک کے لیے اس کا آخری ہدایت نامہ 'قرآن مجید' موجود ہے، اس صورت حال کی واقعی اہمیت اور نزاکت سمجھنے سے قاصر رہی ہے۔ وہ بڑی حد تک اس تاریخی لمحے کی اہمیت سے بے خبر ایک تماشائی کی حیثیت سے انتہائی تیزی سے بدلتا ہوا یہ منظر نامہ کمال بے اعتنائی سے دیکھ رہی ہے جیسے اس سے اس کا اپنا کوئی واسطہ نہ ہو۔ ان میں سے بہتوں کو اگر فکر ہے تو صرف یہ کہ روس کے عالمی منظر سے ہٹ جانے کے بعد اب طاقت کا توازن کیا ہوگا اور اس میں ان کی اپنی پوزیشن کیا ہوگی۔ اکثر مسلمان ممالک یا تو روس کے دست نگر رہے ہیں یا امریکہ کے۔ اور اب روس کے اچانک عالمی سیاست کے افق سے ہٹ جانے کے بعد جہاں امریکہ نواز ممالک خوشی سے بغلیں بجا رہے ہیں وہیں روس کے حاشیہ بردار اپنے آپ کو بالکل بے سہارا

محسوس کرنے لگے ہیں۔

نظریات کی اس شکست و ریخت کے تناظر میں جو بات اصل اہمیت کی ہے وہ نظروں سے اوجھل ہے۔ بنیادی اہمیت کی بات یہ ہے کہ اس فکری اتھل پتھل میں ایک متبادل نظامِ حیات کے طور پر وہ طرزِ فکر اور فلسفہ حیات بھی معرض بحث میں ہے یا نہیں جو خالق کائنات کی آخری کتاب قرآن مجید کا تجویز کردہ ہے؟ اور اگر ایسا نہیں ہے تو اس کے کیا اسباب ہیں اور ان موانع کو دور کرنے کی کیا تدبیر ہے؟ جب ہم خود نہ تو اس کی تعلیمات کو اپنی زندگیوں میں جاری وساری کر سکے ہیں اور نہ ہی ہمارے معاشرے ان خطوط پر استوار ہیں جس کے خدوخال اوراق قرآن میں محفوظ ہیں تو پھر دوسروں کی توجہ اس طرف ہو تو کیوں کر ہو۔ اگر ہماری زندگیاں اور ہمارے معاشرے قرآنی تعلیمات کے سانچے میں ڈھل چکے ہوتے تو آفتاب آمد دلیل آفتاب کے مصداق اس کے برکات خود ہی سارے عالم کی توجہ کا مرکز بن جاتے۔ پھر اس وقت جو مسائل دنیا کے مختلف خطوں میں انسانیت کو درپیش ہیں اور جن کا عادلانہ حل صرف اور صرف اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ممکن ہے خالص علمی سطح پر بھی مسلمان دانشور اور مفکرین ہنوز اس انداز میں پیش کرنے میں پوری طرح کامیاب نہیں ہو سکے ہیں کہ فکری اور نظری طور پر اس کی برتری واضح طور پر ثابت ہو جائے۔

تاریخ اس اہم موڑ پر حاملین قرآن کی طرف دیکھ رہی ہے۔ اشتراکیت ناکام ہو چکی۔ سرمایہ دارانہ سامراجیت اپنے منتہاء کمال کو پہونچ کر تیزی سے زوال کی طرف بڑھ رہی ہے۔ اس کے زیر اثر تعمیر ہونے والے معاشرہ کے رستے ہوئے ناسور اسے موت کی آغوش تک پہونچا کے رہیں گے۔ دنیا ناانصافیوں کے بوجھ تلے کراہ رہی ہے۔ انسانیت کی پیاسی روح کی تشفی کا سامان صرف اس آب حیات میں پوشیدہ ہے جس کے سوتے کلام الٰہی سے پھوٹتے ہیں۔ انسانیت کا مستقبل اسلام سے وابستہ ہے۔ اب اگر موجودہ مسلم معاشرہ اس کے لیے ضروری ساز و سامان کر سکا تو سرفراز ہوگا ورنہ سنتِ الٰہی تو بہرحال پوری ہو کر رہے گی۔

۱۵ ستمبر ۱۹۹۱ء